© rasailojaraid.com

پاپولر

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ)

ہر زمانہ میں ہر ایک سوسائٹی میں عام طور پر کچھ الفاظ ایسے مروج و متداول ہوتے ہیں جن کا اطلاق بالعموم اس سوسائٹی کے علیٰ ترین اخلاق و محاسن کا آئینہ دار ہوتا ہے اور ان کا انتساب کسی فرد و احد کے مکارم اخلاق کی معراج کمال کا کفیل یعنی وہ الفاظ ایسے مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) ہوتے ہیں کہ ان سے اجتماعی و انفرادی نبضِ اخلاق کا صحیح صحیح درجہ معلوم ہو جاتا ہے پہلے دنوں میں، اسلامی سوسائیٹی میں امین۔ صدیق۔ مجاہد۔ مومن متقی۔ متشرع۔ پرہیزگار۔ متدین۔ دیانتدار اور ایسے ہی بہت سے الفاظ مروج تھے کہ ادھر متکلم کی زبان سے ادا ہوئے اور ادھر مخاطب کے ذہن میں ان کے منسوب الیہ کی سچی سچی تصویر مرتسم ہو گئی۔ مگر آج ہماری اینگلو مسلم سوسائیٹی[1] میں یہ الفاظ تو قدامت پسندی۔ دقیانوسیت۔ ملائیت پر محمول کئے جاتے ہیں۔ البتہ انکی جگہ ایک جامع لفظ انگلستان سے لیا گیا ہے جس کا انتساب ہزار عزت و افتخار کا موجب اور جملہ اخلاق جمیلہ کا ماحصل ہوتا ہے یعنی جس کسی کی انتہائی تعریف مقصود ہو۔ اس کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ وہ بہت پاپولر ہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جس کا حصول آج عین مقصد حیات قرار پا رہا ہے۔ اور جس کے لئے ہر قربانی "جہاد فی سبیل اللہ" کا درجہ رکھتی ہے یوں تو اس کے معنی محض "ہر دلعزیز" ہیں لیکن روشن خیال طبقہ کی اس ہر دلعزیزی کے عناصر ترکیبی اس ہر دلعزیزی سے کہیں مختلف ہیں جو کبھی قدامت پسندوں کے "دور جہالت" میں رائج تھے۔

مثلاً کسی صاحب سے آپکو اس قدر دلی نفرت ہو کہ آپ اس کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔ کہیں تنہائی میں اس کا خیال آجاتا ہے تو اس کی تخریب و تذلیل کے لئے ہر ممکن تدبیر سوچی جاتی ہے۔ اس کے عادات

[1] اس سے مراد وہ تہذیب جدید ہے جو اسلامی حدود اور مغربی روح کے امتزاج و اتصالات سے پیدا کی جا رہی ہے۔ منہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصائل۔ رنگ ڈھنگ، انداز و اطوار، غرض اس کی ہر ادا آپ کے نزدیک مکروہ و مبغوض ہے۔ وہی شخص راہ چلتے ہوئے اتفاقیہ سامنے آجاتا ہے خوشی سے آپ کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ دور سے ہی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھ جاتا ہے "ہیلو مسٹر" کی غلغلہ انداز آواز فضا میں مسرّت خیز لہریں پیدا کر دیتی ہے۔ ہاتھ اس کشش و جاذبیت سے ملایا جاتا ہے کہ "سوزِ محبت" گھنٹوں تک مغز استخواں میں حرارت پیدا کئے رکھتا ہے۔ بڑے تپاک کی باتیں۔ بڑی محبت کی گفتگو۔ کہیں نہ ملنے کے گلہ ہائے دراز۔ کہیں تغافل بیجا کی شکایت ہائے رنگیں کبھی اظہار مسرت کہ امتحان میں بڑی نمایاں کامیابی حاصل کی کبھی ایمائے خوف و اندیشہ کہ محنتِ شاقہ سے صحت پر بُرا اثر پڑا ہے عود صحت کے لئے دوائیں آیندہ ترقیوں کے لئے دعائیں تبریک و تہنیت کا خط نہ لکھ سکنے کی معذرت۔ محفلِ احباب میں شرکت کی دعوت غرض کہ غالب مرحوم نے جہاں تمام دعائیں صرف دربان کر دی تھیں آپ نے بھی تمام ادائیں صرف مہربان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور قلت وقت کے عذر۔ اور آیندہ سلسلہ ملاقات جاری رکھنے کے وعدہ و وعید اور اصرار و تکرار پر رخصت ہوئے۔ اس نے منہ اُدھر موڑا اور ادھر یاران نکتہ داں میں ایک قہقہہ بلند ہوا کہ یا عجب بنایا۔ کہنے لگے کہ میاں پاپولر ہونے کی سکیم اسی طرح کامیاب ہوا کرتی ہے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ سمجھ لیجئے کہ یہ صاحب ایک نہ ایک دن پاپولر ہو کے رہیں گے۔

یا مثلاً آپ کہیں باہر جانے کی تیاری میں ہیں کہ ادھر سے نوکر ایک ملاقاتی کارڈ ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ کارڈ دیکھ کر سب سے پہلے آپ کا ہاتھ ماتھے پر جاتا ہے اور سب سے پہلا سوال نوکر سے یہ ہوتا ہے کہ تم نے کیا جواب دیا ہے۔ یہ تو نہیں کہ دیا کہ صاحب گھر میں ہی ہیں"۔ اگر ملازم کہیں نیا نیا ہی آیا ہے۔ یا ملنے والے صاحب ہی گھر کے بھیدی" واقع ہوئے ہیں تو یہ اطلاع ان تک پہنچ چکی ہوتی ہے کہ صاحب گھر میں ہی ہیں۔ اس جرم کی پاداش میں نوکر پر جو قیامت ٹوٹنے والی ہے اس کا وقت تو ذرا ٹھیر کر آئیگا۔ سب سے پہلے ملاقات کے کمرے میں تشریف لائے آدھا جلا ہوا سگار پھر سے جلایا۔ (تاکہ ظاہر ہو کہ ایک عرصے سے یہیں بیٹھے ہیں) حکیم آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کی کتاب سامنے رکھ لی (جسے تمام دنیا میں ابتک معدودے چند اشخاص ہی سمجھ سکے ہیں)۔ اور جذب و انہماک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتہائی گہرائیوں میں آواز دی کہ یہاں بلا لاؤ۔

"آہا آپ کدھر سے نکل آئے۔ ارے میاں اب تم ہم لوگوں سے ملتے ہو بھلا۔ سپرنٹنڈنٹ ہاتھوں میں افسر خوش اور آپ چاہئے کیا" (معراج زندگی ملاحظہ ہو)۔

"میں مسٹر جوزف (یہ اس محمد یوسف کا تفریحی نام ہے جو ان کے والد بزرگوار نے اسلام سے کچھ نسبت پیدا کرنے کے لئے رکھ دیا تھا) لوگوں کے ساتھ تعلقات خواہ کسی نوعیت کے ہوں لیکن جو قلبی واسطہ تمہارے ساتھ ہے وہ کبھی کم ہو سکتا ہے؟ ہاں تو میں کیا تمہاری مصروفیتوں میں ہارج تو نہیں ہوا۔

شکریہ۔ نہیں بھائی صبح سے بیٹھا بیٹھا اکتا گیا تھا۔ جی میں ہی تھا کہ کوئی ادھر آ نکلے تو تنہائی رفع ہو۔ تم تو پیغام رحمت ہو۔ اور ہاں۔ یار۔ چائے پیو گے" (حالانکہ دس ہی منٹ پیشتر انہیں خود چائے مانگنے پر جواب ملا تھا کہ گھر میں دودھ نہیں)۔

"نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔ اپنا گھر ہے۔ میں ابھی ابھی چائے پی کے آ رہا ہوں" (خواہ صبح سے مارے مارے پھر رہے ہوں۔ اور پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہوں)۔ "اور ہاں ان صاحب سے ملئے میرے عزیز ترین دوست مسٹر اے۔ کے۔ ناز۔"

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی" (یعنی جس کے متعلق نہ کچھ جانتے ہیں نہ پوچھتے ہیں۔ اور دونوں نو وارد وبال جان ہو رہے ہیں۔ اس سے مل کر بے حد خوشی ہوئی)۔

"بھائی تم سے تصنع برتنے کی کیا ضرورت۔ اس وقت آنے سے غرض یہ ہے کہ مسٹر ناز...... بھی سوسائٹی کی سکرٹری شپ کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہو رہے ہیں۔ آپ اس کے ممبر ہیں۔ آپ کا ووٹ چاہئے۔ اور میں لیکر جاؤں گا" یہ کہے جا رہے ہیں (اور بالکل غلط) کہ صاحب میں نے ابھی صبح ہی مسٹر...... سے وعدہ کر لیا ہے آپ پہلے تشریف لے آتے تو کیا ہی اچھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ مگر ادھر سے اصرار پہ اصرار چلا جا رہا ہے۔ اور ان کی بھی مروت کا تقاضا ہے کہ "روکھا جواب" نہ دیں۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اچھا صاحب میں آپ کو ہی ووٹ دونگا۔ مطمئن رہیے۔

ؔ اس تمام مضمون میں روئے سخن کسی خاص شخص کی جانب نہیں بلکہ عام حالات کا بیان مقصود ہے۔ مدیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب آپ کہتے ہیں کہ ان حضرت سے بہتر اور کوئی شخص اس عہدہ کے لئے موزوں نہیں تو صبح کا زبردستی وعدہ لیا ہوا اس کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتا ہے"۔

مزید توثیق و تصدیق کے بعد وہ رخصت ہوئے۔ اور جاتے ہوئے کہہ گئے کہ صاحب بھولنا نہیں۔ اور اپنے حلقہ احباب میں بھی ذرا انکا پروپیگنڈا کرنا۔ انہوں نے بڑی خوشی سے گردن ہلادی۔

شام کے وقت فریق مخالف کے صاحب آن دھمکے اور راسی اصرار و تکرار۔ عذر و معذرت کے اعادہ کے بعد ان سے بھی وعدہ کرلیا کہ اچھا صاحب ووٹ آپکا۔

تاریخ انتخاب کی صبح سے ہی جو آپ غائب ہوئے ہیں۔ رات تک واپس نہیں آئے۔ دوسرے دن ناکام امیدوار سے معذرت چاہی کہ "اچانک ایک دوست کا ٹیلی گرام آگیا جس کی وجہ سے مجھے باہر جانا پڑ گیا میں نے تو کوشش بہت کی لیکن خیر پھر سہی"۔ کامیاب امیدوار سے جوش مسرت میں معذرت کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ کہ ممکن ہے اُسے یاد ہی نہ ہو کہ یہ واپس آئے بھی تھے یا نہیں۔ اور کہدیا کہ استاد میں ووٹ میرے فراہم کردہ تھے"۔

سمجھ لیجیئے کہ ایک دن یہ صاحب یقیناً تمام سوسائیٹی میں پاپولر ہوں گے

یا مثلاً کھانے کی میز پر احباب کا جمگھٹا ہے مختلف مذاہب (بہ اعتبار پیدائش) کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں مذہب نے نوع انسانی کو جس ذلت و خواری کی پستیوں میں ڈھکیل رکھا ہے اس کے خلاف اظہار نفرت کیا جارہا ہے۔ اب آپکے پاپولر ہونے کی اسکیم کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیے۔ چنانچہ "ملاازم" کے متشابہات سے خدا اور رسول کے محکمات تک سب کے سب اس استہزار و تمسخر کی لپیٹ میں بہے چلے جارہے ہیں قہقہوں پر قہقہے اڑ رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہی تمام "پارینہ خیالات" کی دھجیاں فضا میں اُڑتی جاتی ہیں۔

اس حریت فکر اور "آزادی خیال" کا ہیرو بھی ایک نہ ایک دن پاپولر ہو کے رہیگا۔

یا مثلاً۔ ایک واقعہ کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ کوئی غلط کہتا ہے کوئی صحیح۔ آپ کو اس کا حتمی طور پر علم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن چونکہ اس یقینی علم کے اظہار سے کسی کی تغلیط ضروری ہے۔ اس لئے ہر دلعزیزی کی سکیم کا تقاضا ہے کہ حقیقت پوشی سے کام لیں جب آپ سے پوچھا بھی جائے تو صاف کہدیں کہ "نا بھئی مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں"۔

یہی نہیں آپ کے سامنے ایک حقدار کا حق دوسرا شخص غصب کئے جا رہا ہے یعنی شہادت آپ کی ہی ہے آپ سے پوچھا جاتا ہے پاپولر ہونے کی اسکیم کے لئے ضروری ہے کہ آپ کہدیں کہ نہیں صاحب مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ میں اخبار بینی میں ایسا محو تھا کہ کچھ سنا ہی نہیں"۔

یا یہ کہ کسی کی غیبت میں اس کی ذات کے خلاف بدترین اتہام لگائے جائیں لیکن جب اس کے سامنے ذکر آئے تو صاف صاف مکر جائیں۔ اس سے آپ تو معتبر کے معتبر رہیں گے اور آپ کے بیان کے شاہد خود بخود دروغ باف اور فتنہ پرداز قرار پا جائیں گے۔

یا مثلاً ایک شخص کے متعلق آپ کو خوب علم ہے کہ سخت نفسی بڑا بدفطرت۔ دروغ گو حاسد اور خود پسند ہے۔ خوشامد پسندوں کے طفیل پبلک کی کوئی امانت اس کے سپرد کئے جانے کی تجویز ہے۔ جس کا وہ ہرگز اہل نہیں ہے۔ وہ از راہ کسر نفسی (جسے فی الحقیقت کبر نفسی کہنا چاہئے) کہہ رہا ہے کہ نہیں صاحب میں تو اس کا اہل نہیں ہوں۔ پاپولر ہونے کی سکیم کے لئے ضروری ہے کہ آپ فوراً پکار اٹھیں۔ کہ "واہ صاحب۔ اس قدر کسر نفسی۔ خدا کی قسم اس قحط الرجال میں آپکا وجود گرامی ہمارے لئے از بس مغتنم ہے۔ آپ کو کیا علم کہ آپ کس قدر مبارک ہستی ہیں۔ بھائی! اپنے لئے نہیں تو محض خدا کا کام سمجھ کر اسے سنبھالئے۔ آپ سے زیادہ اس کا کوئی اور اہل نہیں"۔

یا کوئی صاحب گپ ہانک رہے ہیں۔ ہر دلعزیز بننے کی اسکیم کا تقاضا ہے کہ اسے ٹوکئے نہیں لوگوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ تنہائی میں بھی اسے اس کی کذب بیانی یا کسی ایسے ہی اور عیب پر تنبیہ نہ کیجئے کیونکہ اس سے وہ برا مانے گا۔ اور آپ پاپولر نہیں رہ سکیں گے۔

غرض کہ یہ چند اصول ہیں جن پر کاربند ہونے سے پاپولر ہونے کی سکیم کا کامیاب ہونا یقینی ہے ان کے علاوہ بہت سے فروع بھی ہیں جن کی تفصیل طول طویل ہو گی منجملہ ان کے۔ اپنی تنخواہ کو اصل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ تین گنا بتانا۔ اپنے آبا و اجداد کو کسی نہ کسی نواب صاحب کے خاندان سے منسوب کرنا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بیوی کا (اگر وہ پردہ میں ہے تو) خواہ پاجامہ پھٹ رہا ہو مگر صاحب کی تپلون کی سلوٹ نہ خراب ہو جائے۔ نیچے کے لکھنے کی تختی نہ آئے لیکن ٹینس کا ریکٹ ضرور والد ماجد کی بغل میں ہونا چاہئے کہ اس سے کسی بڑے آدمی کے ٹینس کورٹ تک رسائی ہو سکتی ہے۔ مہینے کی آخری تاریخوں میں خواہ آٹا ادھار لے کر کھانا پڑے لیکن سینما جانا کبھی ناغہ نہ ہو۔ بیوی بچے خواہ گھر کے اندر باسی روٹیوں پر گذران کر رہے ہوں لیکن آپ کے ٹفن میں جو لوگوں کے سامنے جائے، مرغ مسلم نہیں تو کم از کم مرغ پلاؤ تو ضرور ہو۔ علاوہ بریں مہینے میں ایک آدھ دعوت بھی ضرور دیں اور کھانے والے یہ کہکر کھا جائیں کہ خوب الو بنایا (اور اس کا آپ کو خوب علم ہو۔ کیونکہ جب آپ کسی کے ہاں کھانے پر گئے تھے تو یہی فقرہ اس میزبان کی شان میں غائبانہ ارشاد ہوا تھا)

مختصراً یہ کہ اصول ہوں یا فروع نکتہ یہ پیش نظر رہے کہ جو کچھ آپ ہیں وہ ظاہر نہ ہونے پائیں اور جو ظاہر ہوں وہ حقیقت نہ ہو۔ جو محسوس کریں وہ کہیں نہیں۔ اور جو کہیں وہ محسوس نہ کر رہے ہوں۔ قلب اور زبان میں ہم آہنگی کبھی نہ ہو۔ اور اس روش کا نام پالٹیکس یا مصلحت رکھ لیں بس پاپولر ہونے کی اسکیم کا کامیاب ہونا یقینی۔ اور یہ آخری ڈگری ہے جو آج اخلاقی یونیورسٹی سے آپ کو مل سکتی ہے۔

لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ محض نام بدل دینے سے حقائق نہیں بدل جایا کرتے تو آئیے دیکھیں کہ قرآن کے دفتر سے اس اعزاز عظمیٰ کو کیا سند ملتی ہے قرآن کریم نے قول و فعل ظاہر و باطن قلب و زبان کی یکسانیت و ہم آہنگی کو ایک مسلم کا معیار خصوصی قرار دیا ہے۔ اور قول و فعل میں مغائرت اس کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے۔ ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ خدا کے نزدیک یہ بہت ناپسندیدہ ہے کہ تمہارا قول و فعل یکساں نہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور منافقین کے متعلق فرمایا کہ۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وہ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ (۳ : ۱۷) ہوتی اور اللہ خوب جانتا ہے جس چیز کو وہ دل میں چھپاتے ہیں۔

گویا اسلام اور حق وصدق مرادف الفاظ ہیں۔ استیعاب مقصود نہیں ورنہ تمام قرآن ان امثال و نظائر سے بھرا پڑا ہے جن میں اس ایمان اور اقرار کی قطعاً کوئی قیمت نہیں رکھی گئی جو حلق سے نیچے اتر کر قلب کے عمیق گوشوں میں جاگزین نہ ہو۔

اعلاء کلمۃ الحق کی اہمیت کے اظہار اور کتمانِ حقیقت کے خلاف کس قدر بین الفاظ میں ارشاد ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ اے ایمان لانے والو! تم انصاف پر قائم رہو اور خدا
شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ... کی طرف سے (ہمیشہ) حق کے شاہد رہو خواہ یہ گواہی
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ خود تمہارے اپنے نفس کے خلاف۔ یا والدین یا دیگر رشتہ
(۴ : ۲۰)۔ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ وہ شخص (جس کے

خلاف حق کی شہادت دینی پڑے) خواہ امیر ہو خواہ غریب۔ اللہ کو ان کے ساتھ یکساں تعلق ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرو کہ (کہیں تم) حق و انصاف سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

ان تین احکام کی موجودگی میں قرآن کو قرآن جاننے والے کے لئے کہاں یہ گنجایش رہتی ہے کہ ایک واقعہ اس کے سامنے پیش ہو۔ اور وہ اس کے متعلق غلط بیانی کرے۔ یا حق گوئی سے اعراض کرے اور خاموش رہے۔ وہ ایسے وقت میں اللہ کی بے نیام تلوار ہے جو ذاتی خواہشات اور رجحانات دنیوی کو بالائے طاق رکھکر حق و صداقت کے لئے چل نکلتی ہے خواہ اس کی زد خود اس کی اپنی گردن پر ہو۔ یا اپنے والدین یا عزیز و اقارب کی گردن پر امیر کی امارت اور غریب کی غربت اس کی حق گوئی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راستہ میں مانع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ مخالفین میں سے کسی ایک پارٹی کی طرف سے بطور گواہ شہادت نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ قرآن کہتا ہے کہ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ یعنی وہ اللہ کی طرف سے گواہ بنا ہے۔ اس لئے کسی پارٹی کا خیال اسے جادۂ حق و صداقت سے کسطرح منحرف کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ شہادت سے محض وہ شہادت ہی مقصود نہیں جو عدالت کے کمرہ میں ہی دی جائے۔ کیونکہ اس کی کہیں تخصیص نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں، دنیا کے کسی گوشہ میں جہاں کوئی واقعہ اس کے سامنے پیش ہو، بہ حیثیت مُسلم اس کا فرض ہے کہ حقیقت بیان کر دے اور نہ صرف یہ کہ کج بیانی سے ہی باز رہے بلکہ گواہی کے موقع پر خاموش رہنا بھی قرآن کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ اگر خاموش بنشینی گناہ است۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (۲: ۱۶) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس کے پاس خدا کی طرف سے کوئی گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کیا دنیا بھر کے ٹھیکہ دار ہیں کہ لوگوں کو برائیوں سے روکتے پھریں اور اُن کے اعمال حیات کا جائزہ لے کر احتساب کرتے رہیں۔ سو جو مسلمان ہیں وہ سن رکھیں کہ اوروں سے تو غرض نہیں، مسلمان تو یقیناً دنیا بھر کے ٹھیکہ دار ہیں۔ ایک مُسلم کی تخلیق کا مقصد اس کا امتیاز خصوصی ہی یہی ہے کہ وہ دنیا بھر میں جہاں کہیں برائی دیکھے اسے روکے اور اس کی جگہ بھلائی کا حکم دے۔ فرمایا کہ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳: ۱۲) تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے نکالا گیا ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

المعروف اور المنکر پر الف۔ لام استغراق کے لئے آیا ہے کہ بھلائی کی اشاعت اور برائی کی

لہ فریضۂ احتساب اور امر بالمعروف مستقل عنوان ہیں جو بڑی تفصیل چاہتے ہیں۔ انشاءاللہ العزیز اس موضوع پر مستقل طور پر علیحدہ لکھا جائے گا سردست ضمنی طور پر چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ منہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روک تھام میں کسی خاص نوعیت ۔ یا زمان و مکان کی تخصیص نہ ہو ۔ یعنی ایک مسلم ۔ اُس شہنشاہ حقیقی کا پاہی ہے جو رب العالمین ہے اور اس کا فریضۂ حیات یہ ہے کہ جہاں تمرد و سرکشی دیکھے اس کا احتساب کرے ۔ جہاں کسی کو صراط مستقیم اور حق و صداقت سے ہٹتا ہوا پائے ، فوراً اسے روک کر راہ راست پر لے آئے اور یہی وہ امتیاز ہے جس کی بدولت یہ خَیْرَ اُمَّۃٍ ہے اور یہ فریضہ بھی ہر مسلم پر اُسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے ۔

لیکن آہ ۔ آن قدح بشکست و آن ساقی نماند ۔

آج "مصلحت بینی" اور "اقتضائے وقت" کا زمانہ ہے پرانے وقتوں کی یہ باتیں کون سنتا ہے ۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ صاحب ۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ خواہ مخواہ ساری دنیا کو دشمن بنا لیا جائے دل کو محبت کے لئے مخصوص کر دینا چاہئے ۔ ہر اک سے پیار ۔ ہر اک کی عزت ۔ انکسار ۔ درگذر عفو ، چشم پوشی ، تسامح ، پاس و لحاظ ۔ مروت تحسین ۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو شرف انسانیت ہیں اور یہی اخلاق کا اعلیٰ ترین معیار ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تعلیم بڑی خوش آیند اور بیحد مرغوب نظر آتی ہے ۔ اور ان الفاظ میں وہ محبوبیت و جاذبیت ہے کہ ایک دفعہ تو انسان ضرور رک جاتا ہے کہ بات تو بالکل ٹھیک ہے لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو سوائے لفظی طلسم کے اس وعظ کے اندر اور کچھ حقیقت نہیں ملتی ۔ سب سے پہلے تو معیار اخلاق کے ایسے مدعی سے خود اس کی زندگی کا تجربہ پوچھنا چاہئے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے واقعی ہر موقع پر اس پر عمل بھی ہو سکتا ہے ؟ اس کے بعد ان عظ حسنہ کا خود تجزیہ کیجئے تو نظر آئے گا کہ ان صفات میں سے ہر ایک صفت ایک وقت میں خود ایک عیب بن جاتی ہے ۔ اور جو کچھ اس کی ضد ہوتا ہے وہ اس کی جگہ صواب ہو جاتا ہے مثلاً عفو و درگذر بڑی اچھی چیز ہے لیکن کن لوگوں سے ؟ محض ان سے جو اپنے کئے پر پشیمان اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوں لیکن وہی عفو و درگذر عادی مجرم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کرتے جائیے۔ دیکھئے دنیا کے نظام کا کیا حشر ہوتا ہے مظلوم سے محبت کے معنی یہی ہیں کہ ظالم سے نفرت کی جائے نیکی کو اگر پسند کروگے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا۔ بدکردار سے مروت برتنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نیکوکار انسانوں پر دنیا تنگ کرتے جارہے ہیں غضب وظلم کی تحسین کے یہ معنی ہیں کہ آپ دنیا سے عدل و انصاف کو برباد کرتے چلے جارہے ہیں۔ عاجزی و شرافت بڑی خوبی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ غیرت و خودداری ہاتھ سے نہ جائے خاکساری اور انکسار بڑی نیکی ہے بشرطیکہ[1] اس سے شریر و متفنی شیاطین کے حوصلے نہ بڑھتے جائیں کسی بے کس کو پناہ دیجئے تو حسن اخلاق لیکن کسی مفرور مجرم کو پناہ دیجئے تو آپ بھی برابر کے مجرم کسی معصوم و بے گناہ کے ایک چھڑی مار دیجئے تو دونوں جہانوں میں مستوجب عقوبت لیکن بے گناہوں پر حملہ آور کے سینے میں سنگین گھونپ دیجئے تو بقائے دوام کا سہرا آپکے سر قتل و خون بڑی دنیا کے عظیم ترین گناہوں میں سے ہے لیکن جب کوئی مجسٹریٹ حقیقی قاتل کے خلاف فتویٰ موت صادر کرتا ہے تو منصف و عادل کا لقب پاتا ہے۔ غرض اس اصول کو جہان تک پھیلاتے جائیے نظر آتا جائے گا۔ کہ ایک محبت کے لئے ایک بغض۔ ایک عفو کے لئے ایک انتقام۔ ایک کی مدد کے لئے دوسرے کی دشمنی۔ ایک تعمیر کے لئے ایک تخریب، لازمی اور ضروری ہے۔ جہاں محض انتقام و سخت گیری کوئی اخلاق نہیں ہاں محض عفو و درگذر بھی کوئی خوبی نہیں بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ ان دونوں کی حدبندی اور ان کا جائز استعمال ہی عین اخلاق ہے۔ اور یہی وہ حدبندی ہے جسے اسلام نے صراط مستقیم، جادۂ اعتدال اور دین فطرت قرار دیا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے فرمایا ہے کہ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا	اور اسی طرح ہمنے تم کو درمیانی اور وسط کی امت بنایا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ	تاکہ اور لوگوں کے (اعمال کے) تم گواہ بنو۔ اور تم پر رسول
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (۲: ۱۷)	گواہ ہو۔

اب سوچئے کہ آپ کی اس مسامحت اور درگذر کا فلسفہ کہاں رہتا ہے۔ اگر دنیا میں کوئی ایسی بستی قائم ہوجائے کہ جس کا ہر فرد یہ اپنا فرض سمجھے کہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر بھی وہ اپنے ابنائے جنس کو متنبہ کردیا کریگا

[1] بشرطیکہ مقصد اس سے اصلاح اور خیر ہو نہ کہ دوسرے کی تحقیر و تذلیل پر ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو بڑے بڑے جرم جو فی الحقیقت اپنی چھوٹی چھوٹی ابتدائی غلطیوں کے آخری نتائج ہوتے ہیں، دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں لیکن جس سوسائٹی کے افراد سے احتساب کا احساس اٹھ جائے۔ غلط روی اس سوسائٹی کی گویا، فطرت ثانیہ ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ عیب کو عیب شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ یہی حالت آج ہماری ہو چکی ہے۔[1]

ان مواقع کا تعین مشکل ہے کہ کہاں کہاں عفو و تسامح سے کام لینا چاہئے اور کہاں کہاں انتقام و مواخذہ ضروری ہو جاتا ہے لیکن ایک چیز بالکل واضح ہے جسے بطور اصول کے پیش نظر رکھنا چاہئے یعنی جہاں آپ کی اپنی ذات کا تعلق ہو۔ اور مجرم اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا رہا ہو وہاں آپ کو اختیار ہے کہ نرم روی عفو و درگذر، پاس و لحاظ سے کام لیں لیکن جہاں حق و باطل کا مقابلہ آپڑے وہاں ہر حال میں حق کی تائید اور باطل کی تردید آپ پر لازم آجائے گی۔ قرآن کریم نے عفو۔ درگذر۔ نرم روی خوش خلقی حلم اور انکسار کو مومنین کی صفات قرار دیا ہے۔ خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۳ : ۱۷)	پس خدا کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم خو ہو گئے ورنہ اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ پس ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے بخشش مانگئے۔

یہ موقع عام طور پر حسن اخلاق۔ کشادہ روئی۔ صبر و تحمل کا تھا لیکن جب کفر و ایمان حق و باطل صدق و کذب کے مقابلہ کا موقع آیا تو حکم ملا کہ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ان پر سختی کرو۔ اس لئے کہ مفسدین سے نرمی برتنا دنیا کو فساد اور شر کا گھر بنانا ہے ان احکام کی تفسیر، ان نازک مواقع کا تعین، یہ باریک سی حد بندی ہمیں مخبر صادق، قرآن ناطق کے نقوش قدم میں صاف اور بیّن طور پر ملتی ہے۔ اہل مکہ نے ہر ممکن اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جان تک لینے کے منصوبے باندھے کئی مرتبہ حضورؐ سے صحابہؓ نے عرض بھی کیا کہ آپ ان کے لئے بد دعا ہی کیجئے لیکن قربان جائیے اس رحمت دو عالم کے عفو کریمانہ کے

[1] کہا جاتا ہے کہ آج کل چونکہ کسی میں حق [illegible] لیکن یہ بھی کمزوری ایمان ہے حق گوئی کا تو بہتر موقع وہی ہے۔ جب باطل کا زور ہو۔ پرویز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اپنے ذاتی انتقام کے لئے بد دعا تک نہ کی لیکن ایسی بے کسی کے عالم میں اہل مکہ کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ آپ کو ہم اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے پر تیار ہیں اور جو کچھ چاہیں ہم مان لینے پر آمادہ ہیں لیکن ہمارے معبودوں کی تکذیب چھوڑ دیجئے۔ اور تو اور خود حضورؐ کے چچا ابو طالب تک نے کہدیا کہ محمدؐ کیا ہرج ہے اگر ایسا کرو "لیکن یہ حق و باطل کا مقابلہ تھا۔ اس مقام پر اُن کا کوئی لالچ حضورؐ کو پھسلا نہ سکا۔ نہ ان کی طرف سے آنے والے مصائب قدم میں لغزش پیدا کر سکے۔ فرمایا۔ اور صاف صاف فرمایا کہ۔

لو جئتمونی بالشمس حتیٰ تضع فی یدی ما سئا لتکم غیرھا۔ (بخاری)

اگر تم میں ایسی قوت و طاقت پیدا ہو جائے کہ سورج کو آسمان پر سے اتار کر میری ہتھیلی پر رکھدو۔ جب بھی طلب حق کے سوا تم سے اور کچھ نہ چاہوں گا۔ اور وہی کہوں گا جو کہہ رہا ہوں۔

اور خود قرآن نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ کہ

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ (۶۸:۱)

ان تکذیب کرنے والوں کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے کام میں (کچھ) ڈھیلے ہو جائیں۔ آپ اس کا کہنا کبھی نہ مانئے جو (بڑھ بڑھ کر) قسمیں کھا رہا ہے اور بے وقعت ہے۔

بظاہر یہ ایسا وقت تھا کہ بہ تقاضائے مصلحت اُن سے مداہنت برتی جاتی لیکن حضورؐ نے ایسا نہیں کیا اور اس طرز عمل پر حضورؐ کو قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم) بیشک آپ خلق حسن کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ حق و صداقت کے راستے میں روڑے اٹکانے والوں کے خلاف جان و مال سے جہاد کیا لیکن جب ان کفار پر آخری فتح حاصل کی۔ اور فاتح و منصور اس شہر میں داخل ہوئے جسے انہی دشمنوں کی شقاوت قلبی نے چھڑا دیا تھا۔ تو وہ تمام دشمن پابزنجیر سامنے کھڑے تھے۔ وقت تھا کہ عمر بھر کے مصائب کا آج بدلہ لیا جاتا لیکن یہ بدلہ ذاتی ہوجاتا فرمایا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج کے دن تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی مواخذہ نہیں۔ رحمت دو عالم کا یہی وہ خلق تھا جس کی وجہ سے تمام عرب کے تمام پاؤں میں آگرے۔ غرض جہاں اپنی ذات کا معاملہ تھا اس عفو کریمانہ سے کام لیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی لیکن جہاں حق و باطل کا مقابلہ آیا، ذرا نرمی نہ برتی۔

اسی اخلاقی جرأت کے مظاہرے ہمیں قرن اول کے مسلمانوں میں ملتے ہیں جنہوں نے شمع نبوت سے اکتساب ضیا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ (کہ جن کے سایہ سے شیطان بھاگتا تھا) بھرے مجمع میں لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر میں جادۂ حق و صداقت سے انحراف کروں تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو؟" ایک بدو اٹھ کر کہتا ہے کہ "خدا کی قسم اس تلوار سے تمہارا سر اڑا دوں"۔ وہ پرستار صداقت باغ باغ ہو جاتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ قوم میں اتنی جرأت ایمان موجود ہے۔ یہی نہیں، بھرے مجمع میں حضرت عمرؓ کو (جو امیر المومنین تھے) ٹوک دیا جاتا ہے کہ ہمیں بتاؤ یہ کرتا کہاں سے بنوایا؟ اور جب تک اطمینان بخش جواب نہیں ملتا، آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ اللہ اللہ کس قدر جرأت تھی ان کہنے والوں میں! اور کس قدر بلند حوصلگی اور وسعت ظرف تھی ان سننے والوں میں!

اگرچہ جب خلافت بادشاہی میں بدلی تو درباری زندگی اور عجمی اثرات نے خوشامد پرستی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا لیکن پھر بھی ایمان کی یہ چنگاری اس میں اکثر اوقات شعلہ فشاں نظر آتی ہے۔ ہارون الرشید کے دربار میں ایک شاعر قصیدہ مدحیہ پڑھتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ "اے خلیفہ اگر عمرؓ و علیؓ کے زمانہ میں آپ ہوتے تو خلافت پر کوئی جھگڑا ہی نہ پڑتا" (یعنی بلا اختلاف لوگ آپ کو خلیفہ منتخب کر لیتے) وہیں اہل دربار میں سے ایک مرد مومن اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ "کیوں غلط کہتے ہو۔ خلیفہ کے جد امجد حضرت عباس اس وقت موجود تھے پھر جھگڑا کیوں نہ چک گیا" کچھ اندازہ فرمایا آپ نے اس جرأت ایمان کا؟ شخصی حکومت، بھرا دربار لیکن حق و باطل کے مقابلہ میں کسی ڈرانے والے کا ڈر اسے باز نہ رکھ سکا۔ اور اعلائے کلمۃ الحق میں وہ رعب تھا کہ خلیفہ بھی سنکر مسکرا دیا۔ اور اسے کہنا پڑا کہ ٹھیک کہتے ہو۔

مامون الرشید کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن نے جو قیامت برپا کر رکھی تھی کس سے پوشیدہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک صاحب ایمان (عبدالعزیز بن یحییٰ) اس جرأت وصداقت کو قلب میں لیکر مکہ سے روانہ ہوتے ہیں اور جامع بغداد میں جاکر علی الاعلان کہتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ ہرگز ہرگز مخلوق نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس کہنے کا انجام کیا ہوگا۔

خوف طوالت مزید مثالیں پیش کرنے سے روک رہا ہے تاریخ امراء اسلام اٹھا کر دیکھیے اس جرأت ایمان کی کتنی ہی مثالیں آپ کے سامنے ہوں گی۔ یہ کیوں تھا؟ اس لئے تھا کہ ان کے سامنے قرآن عظیم کی تعلیم اور حضور نبی اکرمؐ کا اسوۂ حسنہ موجود تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔

مَن رأى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان۔ (ترمذی شریف)

جو مسلمان کسی برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے روک دے مٹا دے اگر اس کو استطاعت نہ ہو تو زبان سے برا کہے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل ہی میں برا سمجھے مگر یہ کمزور ایمان ہے۔

لیکن قید استطاعت سے یہ مراد نہیں کہ آپ اپنی جرأت اخلاقی کو خود بخود کم کرتے جائیں اور عدم استطاعت کی آڑ میں ہر طرح کی منافقت پر اتر آئیں۔ بلکہ استطاعت کا موازنہ مقابلہ کی مجبوریوں سے ہوگا۔ قرآن کریم نے صرف ایک موقع ایسا ہے جہاں اتنی اجازت دی ہے کہ صرف جان بچانے کی خاطر اگر زبان سے کفر کا اقرار کیا جائے تو مباح ہے یعنی وہاں بھی صرف اجازت ہے۔ حکم نہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدَ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۶:۱۰۶)

جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے بجز اس کے کہ وہ مجبور ہی کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو مگر جو دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور بھاری عذاب ہے۔

لیکن آپ محض ہر دلعزیز ہونے کی خاطر، ممدوح خلائق بننے کے لئے، لوگوں کی ملامت سے بچنے کے کارن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منافقت اختیار کریں تو یاد رہے کہ قرآن کریم میں اس کے لئے بڑی سخت سرزنش آئی ہے۔ فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ...... وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۵: ۸)۔

اے ایمان والو جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایک ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور اللہ سے ان کو محبت ہوگی۔ (ان کے اوصاف یہ ہونگے کہ) وہ ایمان لانے والوں کے آگے منکسر المزاج اور نہ ماننے والوں پر سخت گیر ہونگے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا (قطعاً) کوئی خوف ان کے دل میں نہ ہوگا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ عطا فرمائے اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

گویا کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا اور بلاخوف وخطر سچی بات کہدینا یہ خصوصیت ہے اس قوم کی جو اللہ کو محبوب ہے اور اس اخلاقی جرأت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت فرمایا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کے نزدیک سب سے پہلا محاسبہ خود اپنے اعمال و نفس کا ہے اس کا اعلان ہے کہ

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (۲: ۵)

(کیا غضب ہے کہ) لوگوں کو تو نیک کام کرنے کو کہتے ہو۔ اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو

اس کے نزدیک سب سے بڑی سرزنش اور سب سے سخت ملامت خود ضمیر انسانی کی ہے یہی اس کا نامۂ اعمال ہے جو ہر وقت اس کے گلے کا ہار ہو کر لٹکتا رہتا ہے اور اسی کا احتساب سب سے زیادہ سخت گیر ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۵﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (۱۰: ...)

اور ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے جسے قیامت کے دن نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے اور وہ اسے کھلا ہوا دیکھے گا۔ (پھر کہا جائے گا کہ) اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامۂ اعمال پڑھ لے آج خود تیرا نفس ہی تیرے لئے کافی محاسب ہے۔

لیکن بایں ہمہ یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسرے شخص کو غلطی پر متنبہ وہی کرے جو خود کبھی غلطی نہ کرتا ہو۔ گنہ گار کو اس کے گناہ کی تنبیہ وہی کرے جو خود معصوم ہو۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ احتساب اعمال صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تک ہی محدود رہے۔ حالانکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور اصلاح نفس دو جداگانہ اور مستقل احکام ہیں۔ تو واپنے نفس کا تزکیہ واصلاح سب سے مقدم ہے لیکن جب مسلمان کو دوسرا مسلمان نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے اُسے محتسب کے نامۂ اعمال کی تفتیش کرنے کے بجائے خود اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ نماز کے وقت اگر آپ سو رہے ہوں اور دوسرا شخص آپ کو جگائے تو کیا آپ اسلئے اٹھنے سے انکار کردیں گے کہ جگانیوالا خود پابند نہیں ہے؟ اسکے لئے تو مسلمان ایک طرف کوئی غیر مسلم بھی آپ کو ہشیار کرے تو اس کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ قرآن کے نزدیک ایسے شخص کی کوئی عزت وتوقیر نہیں جس کے اعمال واقوال میں مطابقت نہ ہو۔ مسلمانوں کی کسی ممتاز صف میں اسے جگہ نہیں مل سکتی کیونکہ قرآن کے معیار کے مطابق۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اللہ کے نزدیک وہی زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

لیکن آپ اپنی اصلاح کے لئے انظر ما قال ولا تنظر من قال۔ (یہ دیکھو کہ کیا کہا گیا ہے نہ یہ کہ کہنے والا کون ہے) کو پیش نظر کیوں نہ رکھیں محتسب اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اسی طرح اسے ٹوکنے والا کوئی اور مل جائیگا آپ کو تو اسکا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اُسنے خبردار کردیا کہ سنبھل کر قدم رکھنا آگے ہلاکت وتباہی کا عمیق ومہیب غار ہے۔ نہ یہ کہ اس کی طرف سے انتقامی جذبہ پہلو میں رکھکر ٹوہ میں رہا جائے کہ کب اُسے ٹوکنے کا موقع ملتا ہے لیکن آج سب سے بڑا ماتم یہ ہے کہ ہر شخص یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ وہ کوئی غلطی نہیں کرسکتا اور باقی سب دنیا غلطی کرتی ہے۔

میں اصل مقصد سے ضمناً کچھ دور نکل گیا۔ کہہ یہ رہا تھا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر حق و باطل کے مقابلہ کے وقت۔ ہماری زبانیں حق کی حمایت کے لئے کھل جانی چاہئیں ۔ اس میں اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہونے دیجئے یاد رکھو کہ خدا اور شیطان میں سے بیک وقت ایک ہی کو تم راضی کرسکتے ہو لیکن آج تو یہ حالت ہے کہ بقول اکبر مرحوم۔

مغوی کو برا مت کہو ترغیب ہے یہ ۔۔۔ میں کس سے کہوں نفس کی تخریب ہے یہ

شیطاں کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن ۔۔۔ اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

پس یقین جانئے کہ یہ صرف آج کی تعلیم ہے۔ قرآن سے اس کو کچھ واسطہ نہیں۔ اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ نرم روی، سلامت پسندی، پاس خاطر، نہایت عمدہ عادات ہیں لیکن بشرطیکہ ان میں ایمان سلامت رہ جائے یہ نہ ہو کہ۔

معشوقِ ما بشیوۂ ہر کس موافق است ۔۔۔ با ما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

اس منافقت سے تو یقیناً وہ کفر اچھا جس میں ظاہر و باطن کی مطابقت ہو۔

وفاداری بشرط استواری عین ایماں ہے۔ (غالب)

قرآن نے صرف دو راستے بتائے ہیں۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ حق اور باطل کفر اور اسلام، کذب و صدق، شرک اور توحید۔ اہرمن اور یزدان۔ ان میں سے جس پر دل ٹھکے اسے اختیار کرلو۔ مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ لیکن ان دونوں کے بین بین کوئی تیسری راہ قرآن میں نہیں ملتی۔ اگر تمہارا دل کوئی ایسی راہ پیش کرتا ہے اور دلیل یہ لاتا ہے کہ اس میں سلامت روی اور ہر دلعزیزی ملتی ہے، تو یاد رکھو یہ نفس شریر کا دھوکہ ہے۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (۲:۲)	ایسے لوگ اللہ اور (اس کے) مومن (بندوں) کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) وہ خود اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیطان جو پہلے دن سے ہی ذریت آدم کے پیچھے لگ گیا تھا۔ کبھی تو وہ خوف اور امید کے مہیب اور خوشنما دیوتاؤں کی شکل میں باہر سے حملہ کرتا ہے اور کبھی خود انسان کے حملۂ دماغ میں ہر دلعزیزی اور عزت طلبی کے گمراہ کن مفہوم کی فریب کاریوں اور باطل آرائیوں کے ساتھ اندر سے حملہ آور ہوتا ہے پس اس کے تباہ کن حملوں سے بچنے کے لئے قرآن کا یہ فیصلہ ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے کہ۔

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۶۳ : ۱)

(حقیقی) عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے لیکن یہ منافق (اس حقیقت کو) سمجھتے نہیں۔

اقبال نمبر

مسلمانوں کا اور دنیائے اسلام کا

اقبال نمبر

علامہ سر اقبال کے حالات زندگی اور آپ کی شاعری پر ایک نہایت اعلیٰ کتابی صورت میں لاہور کے مشہور رسالہ نیرنگ خیال کا اقبال نمبر شایع ہوا تھا۔ یہ وہی ہے جو کتابی صورت کے ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ علامہ سر اقبال کی تازہ ترین تصویر اور بہت سی دیگر تصاویر بھی اس میں موجود ہیں۔

علامہ سر اقبال کے حالات زندگی اور ان کی شاعری کو سمجھانے کے لئے ہندوستان کے ایک درجن سے زاید اہل قلم نے نہایت قیمتی مضامین رقم فرمائے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان کے ہر پڑھے لکھے گھر میں ہونی لازمی ہے۔ قیمت دو روپیہ محصول ڈاک ۵ ر۔ لیکن چند مہینوں کے لئے یہ کتاب صرف ۵ ار معہ محصول میں ملے گی آج ہی آرڈر دیجئے۔ علامہ سر اقبال کی دیگر تصانیف۔ بانگ درا۔ (اردو کلام) ۳ اسرار و رموز فارسی مثنویاں عا۔ پیام مشرق (ے)، زبور عجم للعہ جاوید نامہ صہ

ملنے کا پتہ نیرنگ خیال بک ڈپو شاہی محلہ لاہور

© rasailojaraid.com